عربی وفارسی کے ہندی پراثرات،ایک طائرانہ جائزہ

تحریر: قاضی ڈاکٹر شیخ عباس برھانی

پی ایچ ڈی (امریکہ)، ناصح الدعوۃ الامامیہ،شہادۃ العالمیہ (نجف،عراق)،ایم اے،ایل ایل ایم (شریعہ)

اٹارنی ایٹ لأ۔ رکن سندھ ہائیکورٹ بار

مشیر: وفاقی شرعی عدالت پاکستان

رکن: علمأ کونسل پاکستان

Email: qazishkborhany@hotmail.com, Website: www.durrenajaf.com

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد ورفت کا سلسلہ شروع ہوتے ہی آپسی روابط کے ابواب یکے بعد دیگرے منفتح ہونا شروع ہوگئے تھے۔تاریخ گواہ ہے کہ بھارت ورش (ہندوستان) میں مسلم وغیر مسلم آبادی مل جل کر زندگی گزارتی رہیں ہیں۔اس میل جول نے بہت جلد مروجہ آریائی ہندی زبان میں تبدیلی کا عمل شروع کردیا۔یہ ایک تسلیم شدہ بات ہے کہ ہندی کا سلسلہ نسب زنجیر بہ زنجیر پراکرت سے ہوتا ہوا ویدک زبان کے ذریعہ آریائی ادب سے جاملتا ہے۔ہندی کا تعلق آریائی زبان سے تارِ عنکبوت کی طرح مربوط ہے جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ اسی خطہ کی بھاشا ہے۔مختلف مورخین وسیاح جو برصغیر کے مختلف حصوں کا دورہ کرتے رہے انہوں نے اس زمانے میں روابط کی مروجہ زبانوں و بولیوں کے حوالہ سے معلومات مہیا کیں ہیں۔ابتدائی صدی ہجری کے وسط سے عربوں کے بحری جہاز ہندوستانی ساحلوں پر لنگر انداز ہونا شروع ہوگئے تھے۔بندرگاہوں پر تجارتی سامان کی خرید وفروخت کے لیے عربی مقامی بولیوں کی شُد بُد کے ذریعہ لوگ کام چلاتے تھے۔یہ سلسلہ جاری رہا لیکن جیسے جیسے تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا دونوں جوانب کے لوگوں نے ایک دوسرے کی زبانوں کو سیکھنے اور بولنے کی طرف توجہ دینی شروع کردی۔تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ کے سبب ہندوستانی بندرگاہوں میں مقامی آبادی سے علیحدہ عربوں نے اپنے محلات آباد کرنے شروع کردیئے تھے۔قدیم مخطوطات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ فیض اَزَلی کی اشعۃ نے سرزمین ہندوستان میں سب سے قبل زمینِ کیرالہ کو منور کیا۔[1] رتنؒ بابا سرکارِ نبویہ سے خلعت اُمورِ دعوۃ لے کر ھندوستان بحیثیت داعی واپس آئے اور دعوۃِ اسلام قائم کی[2]۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں دعاؤں سے نوازا اور فرمایا کہ "رتن تمہاری عمر طویل ہوگی"۔داعی ھند سیدی رتنؒ بابا نے ھندی زبان میں عربی فیض اھلِ ھند کو پہنچانے کے لیے سعیٔ مشکورہ کی ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ عرب تجار قبل از اسلام بھی خرید وفروخت کی غرض سے یہاں آتے تھے مگر جب وہ نور الحق المبین کی ضوء لے کر آئے تو اس نے اس حصہ ہی کو نہیں بلکہ ظلمت کدۂ ھند کے قریہ قریہ کو روشن کردیا۔اس طرح سرزمینِ ہند میں قیام کے نتیجہ میں انہوں نے مقامی خواتین سے رشتہ مناکحت بھی قائم کرلیا تھا۔اس ملاپ کے سبب مختلف علاقائی بندرگاہوں میں بات چیت کے لیے ہندی زبان میں تبدیلی کا عمل شروع ہوا اور مختلف لہجوں کے ساتھ بولیاں وجود میں آئیں۔اس میل جول کے ذریعہ ایک نیا ماحول، نئی تہذیب، نیا تمدن ہی نہیں بلکہ نئی ہندی زبان بھی پروان چڑھ رہی تھی۔

تاجروں کے ساتھ مبلغینِ کرام کا کردار آپسی روابط کی زبان کو پروان چڑھانے کی لحاظ سے سرِ فہرست ہے۔شمعِ ہدایت کے یہ پروانے،زمان ومکان کی صعوبتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے،توحید کا آفاقی پیغام،محبت و پیار کی چاشنی میں گھول کر ہندی بھاشا میں ہندوستان کے چپہ چپہ میں پہنچاتے رہے۔ذات پات وچھوت چھات کی تقسیم وتفہیم سے ستائی ہوئی برادریاں جن میں دلت سرِفہرست ہیں بزرگانِ دین کی سادگی،محبت اور زبان و ماحول سے خاصے متاثر ہوئے۔دلت (ہندوستان کے قدیم باشندے ہیں جنہیں آریائی حملہ آوروں نے نچلی ذات قرار دیا،وہ آج شودر کے نام سے جانے جاتے ہیں) برہمن پنڈت کے دیوتائی و دیومالائی ماحول میں غلامانہ ذہنیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے والوں کو اولیاؑ قرآن وسنت کا مبارک پیغام ہندی کلام کے ذریعے پہنچاتے رہے۔آزادیٔ فکر،مَساوات،مُواسات،مُواخات،محبت،امن وسلامتی کا درس دیا اور عملاً نمونہ پیش کیا۔عربی وفارسی زبانوں کی صَرف ونحو پر عبور رکھنے والے ان مُبلغینِ کرام کو سنسکرت کے قواعد وضوابط پر بھی قدرت حاصل تھی وہ ماحول کی نزاکتوں سے بھی خوب واقف ہوتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ہندی بھاشا ان بزرگوں کی شیریں زبان سے نکل کر مزید نکھر گئی بلکہ عذبِ زُلال بن گئی۔اوراقِ تاریخ شاہد ہیں کہ دولتِ فاطمیہ سے تعلق رکھنے والے اکثر بزرگ بیک وقت کئی زبانیں اور بولیاں جانتے تھے۔۳۶ سروں اور ۴۲ بولیوں میں موجود ان بزرگانِ دین کا روحانی کلام آج بھی موجود ہے اور دعوۃ غور وفکر دے رہا ہے۔[3]

فاتحین ومبلغین کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ایک زبان کو پورے خطے میں رائج کردیتے اور نہ ہی یہ فطری عمل ہوتا۔اگر مُبلغین علاقائی بولیوں میں بات چیت نہ کرتے اور اپنی مادری زبان عربی یا فارسی میں نشر واشاعت پر مُصر وبضد رہتے اور کہتے کہ جسے ہم سے فیض حاصل کرنا ہو وہ پہلے یہ زبان سیکھے تو سوائے گنتی کے مذھبی جنونیوں کے کوئی ان کے مدارس ومراکز کا رخ نہ کرتا اور نہ ہی وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے۔یہ ان اولیاؑ کی بالغ نگہ،وسعتِ قلبی و دانش وفہم کی بلندی ہی تھی کہ علاقائی زبان و مقامی بولی میں دی جانے والی دعوۃِ توحید کا جواب خطہ میں آباد لاکھوں افراد نے جوق در جوق دیا۔اعلیٰ نسلی تفاخر کے زُعمِ باطل میں مبتلا برھمن طبقہ نے دینی علوم کو اپنی نسل تک محدود کرکے قید رکھا ہوا تھا اور سنسکرت میں موجود مذھبی ادب کے مطالعہ پر غیر برھمن طبقہ پر

سخت پابندی عائد تھی۔ مذہبی ادب کا مالک برھمن تھا جس نے غیر برھمن کے لیے وید کی تعلیم شجر ممنوعہ قرار دے رکھی تھی۔ مذھبی ادب کا مطالعہ کرنے والی نچلی ذات کے افراد کو وید پڑھنے کی پاداش میں قوتِ بصارت سے اور سننے کی صورت میں قوتِ سماعت سے محروم ہونا پڑتا تھا۔ ایسے گھٹن کے ماحول میں سلامتی وآشتی کا پیام ترتی، پیاسی خلقت کو ملا تو وہ پیام اور پیغام دینے والوں کے دیوانے ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ سرزمینِ ہند میں آفتابِ ہدایت کی کرنیں رابعۃ النہار پر پہنچیں۔

تیسری صدی ہجری کے وسط سے عالم اسلام کے مشہور ومعروف علمی مرکز قاھرہ مُعزیہ سے مُبلغین کا اثر ونفوذ برصغیر میں بڑھ گیا تھا گو کہ سلسلہ پہلے سے جاری وساری تھا۔ قاھرہ مُعزیہ سے ۳۵۵ ھجری میں مشہور روحانی بزرگ دانشمند، سیدنا حلم بن شیبان براستہ تیز___ سندھ بحیثیت ''حجت جزیرہ'' تشریف لائے۔[4] رُشد ہدایت کی نشرو اشاعت کے لیے انہوں نے مقامی زبان ھندی وسندھی کو اختیار کیا جس کی تصدیق قدیم سندھی و فارسی مخطوطات سے بھی ہوتی ہے جو آج بھی سُومرہ اکابرین کے کتب خانوں کی زینت ہیں[5]۔ ترویج وتبلیغ اسلام کے سلسلے میں حجت جزیرہ سندھ، سیدنا حلم بن شیبان نے ھستنا پور اور دیگر معروف تہذیبی وعلمی مراکز کے دورے کئے جو اس وقت معروف تھے[6]۔ اسمٰعیلی دعوۃ کے ایک اہم مرکز اُچ شریف کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں جو آج سے تقریباً ہزار سال قبل اعلیٰ اسلامی تہذیب وتمدن کا مرکز تھا اور جہاں علماً وفضلاً نے مدارس ومراکز رشد قائم کئے ہوئے تھے۔ بہاولپور کے نزدیک واقع اس تاریخی شہر اور اطراف کی زبان قدیم سرائیکی ہے۔

قدیم سُومرہ مخطوطات کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس دور کے فاطمی عُمّال کی روشن خیالی کے باعث ان کے پرورش کردہ علماً نے عربی کتب کا ھندی میں ترجمہ کیا تاکہ مقامی آبادی فیض یاب ہو سکے۔ منصورۂ فاطمیہ کے ایک جید عالم شیخ نے مہاراجہ الور کی خواہش وفرمائش پر تفسیر قرآن لکھی۔ یہ نادر نسخہ اپنے دور کی لسانی ارتقاً کی ایک اہم تاریخ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔[7] بغداد کے مشہور سیاح ''اصطخری'' [8] نے محمود غزنوی [9] سے ٦٠ سال قبل سندھ و پنجاب کا دورہ کیا ہے۔ اس کے مشاہدے کے مطابق ملتان ومنصورہ کے جوانب میں جو زبان مستعمل تھی اس پر عربی آہنگ و رنگ غالب تھا۔ بغداد کے دوسرے معروف سیاح ''ابن حوقل'' نے جس کا دور ۳۵۸ ہجری کے اطراف کا ہے اپنے پیشرو کے بیان کی تصدیق کی ہے۔[10] ۳۸۵ ہجری میں ''بشاری مقدسی'' نے بھی مقامی زبان پر عربی اثر ونفوذ کا مشاہدہ کرتے ہوئے آراٗ دیں ہیں۔[11] یہ چند معاصرانہ شواہد اس بات کی دلیل ہیں کہ سندھ میں بھی آریائی زبان پر اولیاً کے وعظ ونصائح اور کلامِ خیر خواہی کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں بھانت بھانت کی بھاشائیں بولی جاتی تھیں اور جو آج بھی اپنی ارتقائی صورتوں میں موجود ہیں۔ فاتحین اور مبلغین جب اس ''عجائب کدہ حیرت'' ہندوستان پہنچے تو وہ بھاشاوں کی کثرت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ان کی حیرت بھی بجا تھی۔ مکان کی رنگینیوں کے ساتھ زبان کی نیرنگیاں ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی وہ جن زبانوں سے واقف تھے وہ عربی، فارسی وترکی ہی تھی جس میں سب سے زیادہ فارسی کا اثر مقامی زبان نے قبول کیا۔ ھندوستان کو فوجی قوت سے ضرور مسلمان حاکموں نے زیر کیا مگر وہ یہاں رہنے والوں کے دلوں کو بوجوہ فتح نہ کر سکے۔ اگر ھندوستان میں رہنے والوں کے دلوں اور روحوں کو کسی نے اسیر کیا ہے تو وہ بزرگانِ دین ہیں جنہوں نے مقامی زبان اختیار کرنے میں ذرہ تامل نہ کیا۔ ھندی زبان اختیار کرتے وقت انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ ہم اپنی حاکمانہ زبان چھوڑ کر کیوں محکوم کی زبان میں بات کریں۔ نہ ہی جبہُ وعمامہ کے وقار کے نشہ نے ان کے مصمم ارادے کو متزلزل کیا۔ سیرت ان پارساوں کی حکمت کا ایک باب ہے جس کے سننے اور سنانے سے کتابِ حقیقی (قرآن) کی تفسیر واضح ہوتی ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ہندی کے بہت سے الفاظ عربی زبان میں اس طرح داخل ہوئے جیسے آج کی انگریزی میں دنیا کی دوسری زبانوں کے الفاظ داخل ہو رہے ہیں اس کا تذکرہ کئی قدماً نے کیا ہے۔ ۳۰۰ ہجری کے اطراف میں امیر البحر، بزرگ بن شہریار نے بحرِ ہند کے متواتر کئی چکر لگائے ہیں۔[12] انہوں نے اپنے عربی سفرنامہ ''عجائب الہند'' میں کئی ہندی الفاظ روانی سے استعمال کئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اس زمانے میں جب فصیح وبلیغ عربی میں ہندی الفاظ اس قدر شامل ہو سکتے تھے تو عرب و ہند کے باہمی رشتہ کے نتیجے میں پروان چڑھنے والی آبادی کی زبان کیسے اثرات سے محفوظ رہ سکتی تھی۔ اس حقیقت کا تذکرہ نہ کرنا زیادتی ہوگی کہ برصغیر کے جس خطے نے عربی زبان کی آمیزش سے سب سے زیادہ فیض حاصل کیا وہ سرزمینِ گجرات ہے۔ براستہ سمندر بحیرہ عرب کی بندرگاہوں سے بحرِ ہند کے ساحلوں پر لنگر انداز ہونے والے بحری جہاز کھمبات، بھروچ وسورت وغیرہ کا رخ کرتے۔ یہ تاریخی شہر عرب وہند کے درمیان تعلقات کے حوالے سے اہمیت کے حامل ہیں بلکہ یہاں بولی جانے والی گجراتی جو آریائی شجر ہی کی ایک شاخ ہے اس پر عربی نے انمٹ نقوش ثبت کئے ہیں۔ مُستنصری دور (۴۶۷ ہجری) سے قبل ہی سے بزرگوں کی آمد رفت مرکز علمی قاہرہ سے سرزمین گجرات میں بڑھ گئی تھی۔[13] مبلغین قاھرہ مُعزیہ سے ذی جبلہ (یمن) کا رخ کرتے۔ جہاں فضلاً کے قدوم میں بیٹھ کر وہ تمام آداب واطوار سیکھتے جو غیر کو متاثر کرنے میں مددگار ثابت ہوں اور کردار کو نکھارنے کا باعث بنیں۔ تربیت کے کٹھن مراحل سے گزر کر فضل وکمال کی سندِ فراغت حاصل کر کے یہ دانائے زمانہ و نابغۂ روزگار برائے رشد وہدایت بھارت ورش وسندھ تشریف لاتے۔ [14]

طائرِ فکرِ انسانی ان تکالیف کے ادراک کی قوت نہیں رکھتا کہ گمان بھی کر سکے جو ان اللہ والوں نے برداشت کی ہونگیں۔ تبلیغ دین اور وہ بھی اس درجہ کی جو انسان ہی کو نہیں بلکہ زبان کو متاثر ومُعَرب کر دے خونِ جگر مانگتی ہے جو ان بزرگوں نے وافر مقدار میں دیا۔ یہی وجہ تھی کہ خلقت ان کی مصری جیسی میٹھی باتوں اور بے لوث محبت بھرے اعلیٰ

کردار کی گرویدہ ہوگئی ورنہ دیارِ غیر میں کون مسافر کو داد دیتا ہے کون ناصح کی نصائح سنتا ہے۔ حتمی یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ سرزمینِ گجرات میں دیوناگری رسم الخط میں گجراتی تحریر کرنے کے بجائے عربی رسم الخط میں گجراتی کو مُعرب بنانے کے عمل کی ابتدا کب ہوئی ہوگی۔ لیکن یہ شرف بھی اسمعیلی مستعلوی مبلغین کے لیے مدخر تھا۔ آج مستعلوی گجراتی عربی و فارسی الفاظ سے مالا مال ہوگئی ہے اور اس میں وہ حلاوت پیدا ہوگئی ہے جو کانوں کو بھلی لگتی ہے بلکہ اس میں رس گھولتی ہے۔ آج سے تقریباً 350 سال قبل سیدی شیخ آدم صفی الدین نے معروف عربی تصنیف ''پیلی میندی'' میں [15] اور فضلائے یمن میں سے ایک معروف ہم عصر شخصیت شیخ جعفر نے ''رسالہ منیرہ'' [16] میں بسطتہ سے ذکر کیا ہے کہ ''سلطان پاٹن (نہر والا)، فیران شاہ معروف فیروز شاہ کے مرشد گرامی مخدومی سیدی حسن فیر شہید [17]، جو داعی البلاغ سیدی عبداللہ [18] کی نسل سے ہیں کی جانفشانی و علمی کاوشوں کی بدولت مقامی زبان کو عربی رسم الخط میں تحریر کرکے عربی علوم و فنون کو منتقل کرنے کے حوالے سے بڑی اہم پیش رفت ہوئی ہے۔ اس دور کی عظیم الشان سلطنت عثمانیہ، جو اپنے وقت کی ''سپر پاور'' تھی، کے تاجدار سلطان مراد اوّل [19] نے آپ کی بے پناہ لیاقت و فراست کا اعتراف کرتے ہوئے ''سجل ھُمامی'' سلطان پاٹن کے نام مع ھدایا روانہ کیا جس کا تذکرہ ''قراطیس یمنیہ'' میں موجود ہے۔ [20] یہ صفحات اس واقعہ فراست کے تذکرۂ پُر انوار کے متحمل نہیں ہوسکتے لہذا انشاءَ اللہ دوسری تحریر کے ذریعے اس پر روشنی ڈالیں گے۔ یہ شیخ حسن فیر کی سعی کا نتیجہ تھا کہ عربی رسم الخط میں گجراتی نے جاودانی مقام حاصل کرلیا۔'' اس وقت کی گجراتی زبان پر عربی کا کتنا گہرا اثر تھا اس حوالے سے بعض قدیم فارسی مخطوطات میں ایک جملہ بطور محاورہ مکرر تحریر ہوتا رہا ''زبان اسمعیلیہ مُستعلو یہ گجرات بہ الفاظ عربی آمیزہ است'' اسمعیلیہ مستعلو یہ اھلِ گجرات کی گجراتی میں عربی کی آمیزش ہے [21] صد افسوس! عربی رسم الخط میں تحریر کردہ گجراتی میں منتقل کردہ یہ کتابیں دوسری بیش بہا نادر و نایاب سینکڑوں عربی و فارسی کتابوں کے ہمراہ جو شیخ فاضل موصوف نے برسوں کی محنت شاقہ سے مختلف علماً و فضلاً کو ذمہ داریاں سونپ کر تیار کرائیں تھیں نہ صرف نذرِ آتش کردیا گیا بلکہ حسن فیر بزرگِ پارسا کو بھی جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ [22] یہ سانحہ ۷۹۵ھ ھجری میں رونما ہوا۔ کاش کہ اُن کلمہ گو مسلمانوں نے یہ ستم نہ ڈھایا ہوتا تو آنے والے ادوار کو علوم کے اس بیش بہا خزانے سے بے شمار فیوضات حاصل ہوتے۔ آپ کی آخری آرام گاہ واقع ''دینمال'' نزد احمد آباد، ہندوستان دُکھی افراد کے لیے جائے سکون ہے۔

دورِ اکبری کے اوائل میں تحریر کی گئیں کتب میں سے اس حوالہ سے چند کتب جو حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں محفوظ رہ گئیں ہیں ان میں ایک فقہ کی مشہور کتاب ''المسائل والجواب'' ہے۔ اسے سیدی امین جی بن سیدنا جلال نامی فاضل نے تحریر کیا ہے۔ [23] یہ کتاب گو کہ عربی زبان میں تحریر کی گئی لیکن درمیانِ عبارت گجراتی عربی رسم الخط میں تحریر جوابات و حواشی بھی ہیں جو اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ تحریر کا یہ انداز گجرات میں ''اسمعیلی مُستعلوی مکتب'' میں جو ''بوھرہ'' کے نام سے جانے جاتے معروف و مستعمل تھا۔ گجرات (ہندوستان) میں آباد مسلمانوں میں ''اسمعیلی مُستعلوی بُوھرہ'' اس لحاظ سے ممتاز مقام رکھتے ہیں کہ انہوں نے گجراتی کو عربی رنگ و ڈھنگ میں ڈھالنے کی سعی مشکور کی ہے۔ آریائی زبان کو دیوناگری سے عربی رسم الخط میں TRANSPLANT کرنے کے حوالے سے ان کی یہ کاوش تاریخ کے ذریں اوراق میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ دوسری اہم تصنیف جو قابلِ تذکرہ ہے وہ نابغہء روزگار سیدی شیخ آدم صفی الدین کی معروف کتاب ''پیلی میندی'' ہے۔ [24] فاضل مصنف کے مقام علمی کا مختصراً تعارف یہ ہے کہ معاصر فضلاً آپ کی توقیر کرتے تھے۔ آپ کی مشہور نادر و نایاب کتاب کا موضوع ''ھند میں ابتدا دعوۃِ اسلام'' ہے۔ اس کتاب میں ان سنسکرت الفاظ کی جامع معنی ''لسان عربی مبین'' میں قلم بند کی گئی ہیں جو ایک تاریخی مناظرہ میں زیرِ بحث آئے۔ یہ مناظرہ اور علمی بحث کھمبات میں داعی البلاغ، سیدی عبداللہ اور شاھی مندر کے مہا پروھت و راج گرو کے درمیان ۴۶۷ھ ھجری کے قریب سالوں میں ہوا تھا تاریخ کے صفحات میں محفوظ کھمبات کے شاھی مندر میں پیش آنے والا تاریخی مناظرہ ثابت کرتا ہے کہ مندر میں مہا پروھت و پجاری مالا پر جو الفاظ جپا کرتے تھے اس کی معنی و مفہوم کی گہرائیوں سے واقف نہ ہوتے تھے جبکہ مصر و یمن سے آنے والے مبلغینِ کرام کے استغراقِ علمی اور ذوق و شوق کا عالم یہ تھا کہ وہ تہہ میں جا کر دُرِ مقصود ڈھونڈ لیتے تھے۔ اس کتاب کا مطالعہ اس بات کو مزید تقویت دیتا ہے کہ عالم اسلام کی مایہ ناز تحقیقی درس گاہ ''دارالعلم'' [25] قاھرہ و مشہور دانش گاہ و حوزہ علمیہ ذی جبلہ (یمن) [26] سے ہندوارد ہونے والے فضلاً نہ صرف سنسکرت و پراکرت بلکہ قدیم فلسفہ ہندوستان پر غایت درجہ قدرت رکھتے تھے۔

[27] داعی البلاغ سیدی عبداللہ نے اپنے میزبان (جن کے اصل نام تا حال تحقیق طلب ہیں) کا کا اکیلا اور ان کی زوجہ کا کی اکیلی کے مشورے کے مطابق کھمبات کے مندر کے مہا پروھت سے اس کے عقیدہ کے حوالہ سے سوالات کئے جس کے جوابات وہ نہ دے سکا۔ وہ مہا پجاری لڑکوں کو پڑھاتا تھا اور کَکُّو کَھکُّو کے سنسکرت کے حروف بتاتا تھا۔ سیدی عبداللہ نے مندر میں اُن بچوں کو پڑھاتے دیکھ کر پروھت سے سوال کیا کہ آپ سکھاتے تو ایک حرف ہیں لیکن بولنے میں چار حرف ادا ہوتے ہیں ان چار حروف میں کیا بھید ہے؟ مہا پروھت یہ سوال سن کر حیران ہوا اور اس سے جواب نہ بن پایا۔ اس نے الٹا سوال پوچھا کہ مہاراج کیا آپ کے پاس اس کا جواب ہے؟ سیدی عبداللہ جو ھندو پروھت کے بھیس میں تھے انہوں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا اور مقامِ خلوت میں لے گئے۔ وہاں انہوں نے توحید کے حوالہ سے ایسی گفتگو کی کہ مہا پروھت کا مشرکانہ عقیدہ متزلزل ہوگیا۔ یہ سلسلۂ حجت جاری رہا یہاں تک کہ انہوں نے مالا پر جپنے والے ناموں کی معنیٰ بیان کرتے ہوئے سوالات کئے کہ تم

سنسکرت میں لکھتے ہوا ایک حرف 'ک' اور پڑھتے ہو چار حروف کـگـھو اور وہ تین کاف ہیں اور بعد ان کے واو ___ ان میں سے پہلے دونوں کاف ہر دو اصل روحانی پر مثل ہیں اور وہ دونوں ایک جنس واحد سے ہیں اور وہ عقل ہے اور تیسرا کاف اور واو ہر دو اصل جسمانی پر مثل ہیں اور دونوں کے درمیان میں ایک جہت سے فاصلہ ہے اور ہر ایک دو اصل میں سے ایک متحرک ہے اور دوسرا ساکن اور وہ دلیل اس بات کی ہے کہ دنوں میں سے ایک مفید ہے اور دوسرا مستفید۔ الٰہیات کی اس تعلیم سے مہا پروھت سیدی عبداللہ کے مرید ہو گئے اور '' دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے مگر سرزمینِ گجرات میں فاطمی اسمعیلی دعوۃ اسلام کی آبیاری کے لیے اپنے عقیدہ کو مخفی رکھ کر دعاۃ کی مدد کی اور حقِ خدمت ادا کر کے عنداللہ ماجور ہو گئے۔

گیارھویں صدی کے شروع میں گجرات کے جینی عالم وقواعددان جین اچاریہ ہیم چندر [28] نے ایک بڑا بھاری ویاکرن گرنتھ '' سدھ ہیم چندر شبدانشاسن'' گجرات کے مہاراجہ سدھ راج کے عہد میں لکھا۔ اس میں سنسکرت، پراکرت اور آپ بھرنش تینوں زبانوں کا استعمال کیا۔ اس زمانے میں مسلمان مبلغین نے بھی اس ترکیب سے زبان کا استعمال کیا اور عربی کو ساتھ ساتھ شامل کیا۔ دوہا جو آج بھی مقبول صنفِ سخن ہے آپ بھرنش ہی کی عطا ہے۔

برصغیر میں تبلیغ کا تذکرہ اور اسنادِ معروف عربی تاریخ '' عیون الاخبار' کے فاضل مصنف و نامور اسمعیلی مورخ 19 ویں فاطمی داعی سیدنا ادریس عماد الدین کی تحریر سے ملتا ہے۔ [29] ۴۲۷ ہجری سے ۵۲۶ ہجری کے درمیان پنجاب، سندھ، گجرات، دکن و راجستھان وغیرھا میں مبلغین ترویج وتبلیغ اسلام میں مشغول تھے اور اس حوالہ سے حالات، زبان، مکان اور ضروریاتِ زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے خلائق کو متوجہ کر رہے تھے۔ اکنافِ ہند میں بسنے والے آریائی مذہب کے پیروکار جنہیں عرف عام میں ہندو کے نام سے جانا جاتا ہے بھجن، اشلوک، گنان، گرنتھ اور گھاٹ کے عادی تھے۔ اس دور میں مذہب کا پیغام اس خطہ میں سریلی آواز اور دلکش سُر کے ذریعہ پہنچایا جاتا تھا۔ برصغیر میں تبلیغ اسلام کے لیے آنے والے بزرگوں نے چاہے وہ پنجاب ہو یا سندھ، ہستناپور ہو یا کاشی، اجمیر ہو یا کشمیر۔ عوام کی نفسیات و عادات کا بغور تجزیہ کرتے ہوئے نظم کی مختلف اصناف میں توحید و رسالت کا پیغام نشر کیا۔ لحن و سر کی مدد سے پیغام نشر کرنے کے لیے جو انداز اختیار کئے گئے ان میں قوالی، کافی، گنان، گرنتھ، گھاٹ، مذہبی جوش وجذبہ ابھارنے والے گیت اور کلام بھی شامل ہیں۔ آج بھی صحرائے چولستان (پاکستان) اور اطراف علاقوں میں آباد خانہ بدوشوں کے درمیان گڑوی کے ساتھ داعی البلاغ سیدی نورالدین کے گنان کی موجودگی ایک تاریخی حقیقت کی طرف لسانی لحاظ سے توجہ مبذول کراتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں سیدی نورالدین نے نظم کے ذریعہ اسلام کا آفاقی اور روحانی ابدی پیغام نشر کیا۔ [30] آپ نے ہزاروں غیر مسلموں کو اسمعیلی فاطمی حلقۂ دعوۃ اسلام میں داخل کیا۔

یہ روایت نسل در نسل منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ وسطِ ایشیا اور افغانستان سے ھند آنے والے دنیا پرست حکمرانوں نے جب مذہبی عصبیت کا مظاہرہ کیا تو خاندانوں کے خاندان اِن کی خونی تلواروں اور بربریت سے محفوظ رہنے کے لیے صحرائے چولستان اور اطراف میں خانہ بدوش بن گئے۔ [31] ایسے نامساعد حالات میں بہت ساری چیزیں متاثر ہوتیں ہیں۔ عقائد و رسوم کے ساتھ زبان میں فرق آجاتا ہے مگر بزرگوں کی دعاؤں اور نیکیوں کے سبب زمانے کے سفاک ہاتھوں سے کچھ اصل قدیم بچ جاتی ہیں۔ آج محفوظ رہنے والے آثار زندہ قوم کو دعوتِ فکر دے رہے ہیں کہ وہ تحقیق کرے اور باقیات کی ٹوٹی کڑیوں کو جوڑنے کی سعی کرے۔ ہزار سال پیشتر تحریر کی گئی توحید و رسالت کی دعوۃ پر مبنی، سرزمین گجرات و دکن، سندھ و پنجاب میں نور اسلام کی کرنیں پھیلانے والے معروف مبلغ، داعی البلاغ، سیدی نورالدین کا یہ نایاب کلام اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ کس طرح تعلیمات اسلام ہندی زبان میں عوام تک پہنچیں اور انہوں نے اس سے متاثر ہو کر دعوۃ اسلام کا جواب دیا۔ شروع میں یہ نظم دیوناگری رسم الخط میں تحریر کی گئی تھی بعد میں عربی رسم الخط میں منتقل کی گئی ہے۔ سیدی نورالدین ''اسمعیلی نزاری مکتب'' میں '' پیرسَت گُرنور'' کے نام سے معروف ہیں جس کے معنی ہیں سچا گرو نور۔ آپ کا مدفن دونگاؤں، اورنگ آباد میں مرجع خلائق ہے۔ [32] جبکہ اسمعیلی نزاری ذرائع اُن کا جائے مدفن نوساری نزد سورت بتاتے ہیں۔ تاریخ پر بے شمار پردے پڑے ہوئے ہیں جن کے باعث حتمی بیان مشکل ہے، وجہ اس زمانہ کے سیاسی حالات اور زیرِزمین تحریک دعوۃ تھی۔ سیدی نورالدین نے دکن کے علاقے میں دعوۃ اسلام دکنی اردو زبان میں قائم کی اور خلقت کثیر کو فیض پہنچایا۔ دکنی اردو زبان و ادب کی پرورش کے حوالے سے ان کی خدمات فراموش نہیں کی جاسکتی ہیں۔

نمونہ کلام داعی البلاغ سیدی نورالدین بمعروف پیر سَت گُرنور

کہ جیرے وِیرا کنک کچولا کیسر گھولیا
کہ جیرے وِیرا چھاٹن چھانٹو عارب دیس نارائے رے
وِ یو ا ر ے آ وِ یا ڈُ ھونکڑ ا

مطلب: (اے بھائی! سونے کے پیالے میں زعفران گھول کر تیار کیا ہے۔ اے بھائی! شاہِ عرب پر اس کا چھڑکاؤ کرو کہ شادی کا وقت آ گیا ہے)

کہ جیرے وِیرا سوَن تھال سہُو کوئی دھرے
کہ جیرے وِیرا لاوو میلو باجوٹھیا مونجار رے
وِ یو ا ر ے آ وِ یا ڈُ ھونکڑ ا

مطلب: (اے بھائی! ہر کوئی سونے کے تھال لے کر آؤ، اے بھائی! اندر تخت بچھاو، کہ شادی کا وقت آ گیا ہے)

که جیرے وِیرا مانک موتی نی تھال بھرو

که جیرے وِیرا جووا جائیئے چَوود بھوَن نو رائے رے

وِ یو ا ر ے آ وِ یا ڈُ ھونکڑ ا

مطلب: (اے بھائی! یاقوت اور موتی کے تھال تیار کرو، اے بھائی! آؤ، چودہ عوالم کے مالک کو دیکھنے جائیں، کہ شادی کا وقت آ گیا ہے)

که جیرے وِیرا واجنتر واجے اَتی گھنا

که جیرے وِیرا ڈھول واجے ڈھم ڈھم کار رے

وِ یو ا ر ے آ وِ یا ڈُ ھونکڑ ا

مطلب: (اے بھائی! بے شمار باجے بج رہے ہیں، اے بھائی! ڈھم ڈھم ڈھول بھی بج رہے ہیں، کہ شادی کا وقت آ گیا ہے)

که جیرے وِیرا سَئو سین آوونے سامی سوبھتا

که جیرے وِیرا جاہیر واتو تھاسے جان مانہے رے

وِ یو ا ر ے آ وِ یا ڈُ ھونکڑ ا

مطلب: (اے بھائی! اے لشکرِ جرار! آؤ اور دیکھو آقائے دو جہاں مولائے گرامی کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں۔ مولیٰ کی بارات میں ایسی باتیں ہوں گی، کہ شادی کا وقت آ گیا ہے)

اے جی گت رے سَر وَور مانہے جیلنتا موتی اَمُولکھ لا دھا جی

جتن کرینے موتی راکھجو تو مُول اَدکیرا آوے جی

سَت سمجی نے رہیئے، اَور دُوجا نے نا کہیئے

مطلب: (اے بھائی! جماعت خانے میں علمِ روحانی کے سمندر میں سیر کرتے ہوئے انمول موتی حاصل ہوئے، اِن موتیوں کو سنبھال کر رکھنا تو ان کی بہت زیادہ قیمت آئیگی ،سچائی سے سمجھ کر رہو، کسی غیر دانشمند سے علم وحکمت کی بات نہ کرو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جواہرات خنازیر کے سامنے نہ ڈالو

اے جی اُونچا اُونچا نَر اُجلا دِیسے رِکریانا ہیٹنا جی

پار کے مِندر رہیئے پا کھنڈ ھ کرے جا سے گوڑم گوڑ جی

ایک تھی دُوجا نے نا گمے، بھگتی تھی ویگڑا بھمے

مطلب: (اے بھائی! بڑے بڑے اور صاف ستھرے لوگ نظر آتے ہیں مگر وہ اعمال کے بغیر ہیں۔ وہ پرائے گھر جا کر فریب کاری کرتے ہیں، وہ گھُپ اندھیرے میں جائیں گے۔ وہ ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے اور عبادت سے دور رہتے ہیں)

اے جی بھائیو بھرمے نہ بُھولیئے ، وِیرا نو بُھولیئے

سمجھو ستگُر نی دان کا یا کیرو جھوپڑو، کایا مَڈورے مَسانُ

بھا ئیو بھر مے نہ بُھو لیئے

مطلب: (اے بھائیو! شک میں پڑ کر بھول نہ جانا، اے بھائی! بھول نہ جانا۔ مرشد کے فرمان کو سمجھو کہ جسم ایک جھونپڑے کی مانند ہے اور جسم کا ٹھکانا شمشان (قبرستان) ہے اے بھائیو! شک میں پڑ کر بھول نہ جانا)

اے جی کایا گندی نے گوبری ، کایا میلی سَدائے

کایا وَنسے نے سڑے ، کایا بُھونڈی گندھائے

بھا ئیو بھرمے نہ بُھو لیئے

مطلب: (اے بھائی! جسم گندا اور گوبر سے بھرا ہوا ہے، جسم ہمیشہ میلا ہے جسم بگڑنے والا اور سڑنے والا ہے، جسم گندا اور بدبُو دار ہے، اے بھائیو! شک میں پڑ کر بھول نہ جانا)

اے جی مَڑ مُتّر ماہیں بَھر یو ، دَہاڑے اُٹھے دُر گندھ

اُوپر آلیو چامڑو ، ماہیں چِھے نَس جاڑی نا بندھ

بھا ئیو بھر مے نہ بُھو لیئے

مطلب: (اے بھائی! اُس میں غلاظت بھری ہوئی ہے، ہمیشہ اُس سے بدبُو آتی رہتی ہے، اوپر چمڑی لگا دی گئی ہے، اندر نسوں کا ایک جال بُنا ہوا ہے اے بھائیو! شک میں پڑ کر بھول نہ جانا)

اے جی شُکر کیئے تات نُو ، شونیت ماتانی ہوئی

اُوپَج اپنی وِچارتا ، آوے اُکڑاٹو جوئی

بھا ئیو بھر مے نہ بُھو لیئے

مطلب: (اے بھائی! (تیرا جسم) باپ کے تخم اور ماں کے خون سے بنا ہوا ہے، اُس کی تخلیق کے بارے میں سوچنے سے گھِن پیدا ہوتی ہے، اے بھائیو! شک میں پڑ کر بھول نہ جانا)

اے جی تینے تُو دھوئیش کیم کری ، کائیں شُدھ نُو تھائے

نَو دُوار نِت چُوے ، ماہیں نَرگ بھرائے

بھا ئیو بھر مے نہ بُھو لیئے

مطلب: (اے بھائی! تُو اُس کو کس طرح دھوئے گا؟ یہ صاف نہیں ہو سکتا۔ نَو دروازے متواتر رِس رہے ہیں، جبکہ اندر جہنم بھرا ہُوا ہے، اے بھائیو! شک میں پڑ کر بھول نہ جانا)

اے جی کایا لُولی بَہیری پانگڑی ، کوڈھی کُشٹی نے اَنْدھ
نُور سَتگُر بولیا ، دیہی نو ایوو سَمبَندھ
بھا یئو بھر مے نہ بُھو لیئے

مطلب: (اے بھائی! جسم لُولا، بہرا، اپاہج، کوڑھی اور اندھا ہے۔ ست گرنور کہتا ہے کہ جسم کا رشتہ ایسا ہے، اے بھائیو! شک میں پڑ کر بھول نہ جانا)

اے جی پڑی رہے تو کِیڑا پڑے ، باڑی راکھ ج تھائے
نَرگ کری نے جو ناکِھیئے ، تو سَہوُ جنَاوَر کھائے
بھا یئو بھر مے نہ بُھو لیئے

مطلب: (اے بھائی! اگر پڑا رہے تو کیڑے پڑ جاتے ہیں، جلایا جائے تو راکھ بن جاتا ہے۔ گندا سمجھ کر پھینک دیں گے تو سب حیوان کھا جائیں گے، اے بھائیو! شک میں پڑ کر بھول نہ جانا)

اے مُکھ ما چھے کٹکا ہاڈنا ، اُوپر روم نی مُوچھ
مَن مان دَھرے گھنٹو ، امے چھِیئے کُوڑنا اُونچ
بھا یئو بھر مے نہ بُھو لیئے

مطلب: (اے بھائی! چہرے کے اندر ہڈیوں کے ٹکڑے ہیں اور اُس کے اُوپر بالوں کی مُونچھ ہے۔ دل بہت بڑائی کرتا ہے کہ ہم خاندان کے لحاظ سے اُونچے ہیں، اے بھائیو! شک میں پڑ کر بھول نہ جانا)

اے جی کُوڑنُو مان کرتا ، رَکھے دَھرتا اَبھیو
کایا کلیوَر کارمی ، دیہی تھی اَڑگو چھے دیو
بھا یئو بھر مے نہ بُھو لیئے

مطلب: (اے بھائی! خاندان کی بڑائی کرتے ہوئے کہیں تم لا پرواہ نہ ہو جانا۔ تمہارے جسم کا ڈھانچہ خوفناک ہے، مگر جسم سے رُوح الگ ہے، اے بھائیو! شک میں پڑ کر بھول نہ جانا)

اے جی دیہی نے جے ہُوں ہُوں کری مانتا، تے تو دیکھِیتا اَندھ
رِدیہہ نی آنکھُوں نَتھی اُگھڑیُوں ، تینے لاگو چھے دُھندھ
بھا یئو بھر مے نہ بُھو لیئے

مطلب: (اے بھائی! جو جسم کو مَیں مَیں سمجھتا ہے وہ تو صاف اندھا ہے یا دیکھتے ہوئے اندھا ہے۔ دل کی آنکھیں کھلی نہیں ہیں، اُن کے سامنے دُھند ہے، اے بھائیو! شک میں پڑ کر بھول نہ جانا)

اے جی بے بے لوچَن سَرُ وَ نے ، دِیدھِیا لوچَن تَرَن
سَپَت لوچَن دَھرم نا ، جُوئے وِچاری جن
بھا یئو بھر مے نہ بُھو لیئے

مطلب: (اے بھائی! دو دو آنکھیں سب کی ہیں، تعلیم کی تین آنکھیں ہیں، مذہب کی سات آنکھیں ہیں، اگر کوئی غور کر کے دیکھے، اے بھائیو! شک میں پڑ کر بھول نہ جانا)

اس کلام کو دیونا گری سے عربی رسم الخط میں لکھے جانے کے سبب آج اُردو داں طبقہ کے سامنے گجرات کی قدیم زبان کا ایک خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ کلام کا موضوع حکمت اسلامی ہے مگر بحر اور وزن ھندی ہے۔ نو سو سال سے زائد کا عرصہ گزر گیا مگر زبان میں مکمل اجنبیت نہیں آئی کہ اسے سمجھا اور پہچانا نہ جا سکے۔ چار صدیوں سے زائد قدیم دعاؤں پر مبنی ایک قدیم قلمی نسخہ جس کا تعلق ''اسمعیلی مستعلوی بوھرہ مکتب'' سے ہے ہم تک پہنچا ہے اُس میں موجود نثر قابل توجہ ہے۔ [33] اصل تحریر پر قدیم سندھی کی طرح نقطے اور اعراب لگے ہوئے ہیں عبارت یوں ہے:

" دُعَا عَظِیُمَ دُعَا یَوُ هَدیُ چَیُ نَامَ لیورٌایُ ایُ دُعَا نِیُ دُعَأ اَلمرُحُومَةِ رحمةُ اللّٰه نی طِ دُعَا اُوپَر فرمَایُونُ نَبِیُ صَلّٰی اللّٰهُ عَلَیهِ وَعَلٰی اٰلِهِ کُنهُون جِ یَاد کَرِیُ طِ کُنهُونُ دُعَأ مَرحُومَةَ نیُ طوَ جَوپَدی اَللّٰه تَعَالیٰ طِهنَی جَهَنَّم نی آغ تَکِیُ انی پورِیُ کَرِیَ اللّٰه طِیُهَنی سَغلیُ حَاجَةُ دُنیَأ نیُ اَنَی آخِرَةُ نِیُ حَاجَة تَکیُ انِیُ مَاندیُ اللّٰهَ تَعَالیٰ طِ کُنهونَ نِیُ جَنَّةَ نِیُ وَادِیُ مَاهِ موتیُ انیُ مانِكُ ناغَدُ تکی "۔

مطلب: یہ دعاً اتنی عظیم ہے کہ اس دعاً کا نام اللہ کی رحمت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دعاً کے بارے میں ارشادِ مُنیر فرمایا کہ جو اسے یاد کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا اور اس کی تمام حاجات دنیاً اور آخرت کی پوری کرے گا اور اللہ تعالیٰ اسے جنت کی وادی میں جواہرات یاقوت اور موتی کے ساتھ آباد کرے گا۔

تقریباً ۲۶۲ سالہ قدیم ایک اہم مخطوطہ جو ۴۰ ویں فاطمی اسمعیلی داعی سید ناھبتہ اللہ المؤید کے کلام پر مبنی ہے ہم تک پہنچا ہے۔ [34] اس تحریر میں عربی، ھندی اور گجراتی زبان کو ملا کر پیش کیا گیا ہے۔ موئد اصغر سید ناھبتہ اللہ کا مختصر تعارف یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت کے دور ابتلاً میں جب مرھٹہ قوت عروج پر تھی تب آپ نے سرزمینِ ھند کے باسی مسلمانوں اور مرھٹوں کے درمیان تلخیاں کم کرنے کے حوالے سے نہایت فعال کردار ادا کیا۔ یہی وجہ تھی کہ مرہٹہ مہاراجہ سندھیا اور مغل بادشاہ عالم سلطان دہلی آپ کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔ اور اہم اُمور میں مشاورت کرتے تھے۔ آپ کا مندرجہ ذیل دوھا توجہ طلب ہے، فرماتے ہیں:

پانی کنارے جا دیکھ بگلوچہ جانچ بھینچی
یک پانو تھی اوبھورھی لیوی بیوے آنکھ میچی
تیوتھئ سراسر ڈھالینے مونڈی نیچی
ظاھرہ ملیح و باطنہ قبیح

مطلب: تو ندی کے کنارے جا کر دیکھ، تجھے ایک ٹانگ اٹھائے، پیروں میں اپنی چونچ چھپائے، آنکھیں بند کئے، گردن جھکائے، خاموش کھڑا ایک بگلہ نظر آئے گا، جو

سادھو کی صورت بنائے ہوئے ہے۔ یاد رکھو اس نے صرف شکار کے لیے یہ صورت بنا رکھی ہے۔ یعنی اس کا ظاہر اچھا اور باطن خراب ہے۔

یہ دوھا اپنے اندر ایک اہم درس وحکمت کا خزینہ سموئے ہوئے ہے۔ مندرجہ بالا اشعار آپ بھرنش کا حقیقی نمونہ ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ تقریباً چار سو سال قبل بھی ہندی زبان وجود پذیر تھی۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری بارھویں صدی میں عراق سے ہند تشریف لائے اور اجمیر کو مرکز بنایا۔ [35] آپ کے جماعت خانے سے فیض حاصل کرنے والوں میں مسلمانوں سے کہیں گنا زائد ھندو ہوتے۔ زمانہ امیر خسرو سے واقف ہے انھوں نے مقامی آریائی زبان ھندی کو ایک نیا رنگ لہجہ، آھنگ ایسا عطا کر دیا کہ آج بھی وہ اپنے گیتوں کے حوالے سے زندہ و جاوید ہیں۔ [36] ان گیتوں میں جو کھڑی بولی (ھندی) میں موجود ہیں اتنا دلکش و دلنشیں کلام کسی اور کا نظر نہیں آتا۔ تُرکی، فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش نے اسے بادامی شربتِ زعفران سے زائد فرحت بخش بنا دیا ہے۔ امیر خسرو نے جو کھڑی بولی استعمال کی ہے اس کی کڑی گجرات و دکن میں بولی جانے والی گُجری و دکنی سے جا ملتی ہے امیر خسرو کو جو لگاؤ ھندی سے تھا اس کا اظہار چند لفظوں میں ممکن نہیں اسی طرح انہیں جو عشقِ صادق اپنے مرشدِ گرامی خواجہ نظام الدین سے تھا وہ کیفیت صرف دنیائے روحانیت کے باسی ہی سمجھ سکتے ہیں۔ خسرو سفر بنگال پر تھے جب ان کے قبلہ گاہ وفات پا گئے۔ جب وہ واپس آئے اور مرشد کی قبر دیکھی تو بے ساختہ یہ دوہا کہا اور گر کر بے ہوش ایسے ہوئے کہ خالق سے جا ملے:

گوری سوئے سیج پر اور مکھ پر ڈارے کیس

چل خسرو گھر اپنے، رین بھئی چوندیس

جو ملفوظات ھندیٔ قدیم کے بزرگوں کے ہاتھوں نشو و نما کے حوالے سے میسر آ سکے ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیریں دھن جس کے منہ سے مصری کی یہ ڈلیاں نکلیں وہ خواجہ فرید مسعود گنج شکر ہیں۔ [37] ایک قدیم مخطوطہ میں ان کی ایک نظم موجود ہے جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

وقت سحر وقت مناجات ہے خیز دراں وقت کہ برکات ہے

نفس مبادا کہ بگوید ترا خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے

شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر کے یہ فقرے مختلف تذکروں میں موجود ہیں: [38] آنکھ پر پٹی بندھی دیکھ کر خواجہ بختیار کاکی نے سوال کیا تو جواب دیا ''آنکھ آئی ہے''۔ خواجہ نے آنکھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: تو پھر یہ کیا ہے؟ ''اگر آنکھ آئی ہے این راچرا بستہ آید'' بعد کے ادوار میں سنت کبیر داس [39] جنہیں بے شمار محقق مسلمان مانتے ہیں، نے ھندی میں نظم کے ذریعہ انسانیت کا پرچار کرتے ہوئے عصبیت کے راکھششوں سے بچنے کا درس ایسے دوہوں کے ذریعہ دیا کہ ہر کوئی اُسے گنگناتا پھرتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام مسلمان کے لیے نہیں بلکہ انسان کے لیے تخلیق کیا گیا تھا۔ سکھوں کی مذہبی کتاب ''گرنتھ صاحب'' [40] کا ایک حصہ تخلیقی اعتبار سے بابا فرید سے منسوب ہے۔ خود بابا فرید ہوں یا گرو گرنتھ صاحب میں موجود ان کا کلام، دونوں کی زبان و بیان میں قدرے مشترک پائی جاتی ہے اور وہ ہے وحدانیت و انسانیت۔ شیریں بیانی اور عام فہم زبان۔ بزرگانِ دین میں سے خواجہ نظام الدین اولیأ سے لے کر بعد میں آنے والوں میں بابا گورو نانک ہوں یا سنت کبیر داس، میرا بائی ہو یا سائیں بابا [41] یا پھر مسلمان حکمران، ان سب نے ھندی کی پرورش میں فعال کردار ادا کیا ہے۔ سکھوں کے روحانی پیشوا گورو نانک جی کا توحید پر مبنی دوھا ملاحظہ کیجیے:

سانس مانس سب جیو تمہارا تو ہے اکھرا پیارا

نانک شاعر یو کہت ہے سچے پروردگارا

کبیر داس کا کلام توحید کے پرچار کے ساتھ ساتھ عاشقینِ ''سیرت ادب'' کو بھی متوجہ کرتا ہے۔ عشق رسول پر مبنی یہ دوھا ملاحظہ کیجیے:

عدد نکالو ہر چیز سے چوگن کر لو وائے

دو ملا کے پچگن کر لو بیس کا بھاگ لگائے

باقی بچے کے نوگن کر لو دو اس میں دو اور ملائے

کہت کبیر سنو بھائی سادھو نام محمد آئے

ہمایوں کا درباری کوی، چھیم بندیجن امیر المومنین علی کی ہیبت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: [42]

دھرتی تھرنی تھرتھرت ڈرنی رتھ ترنی تل ٹوٹے ہو

دھوم دھام دھرو لوک سُر پتی اتی پٹ تے ہو

ہم گری سمیرو و کیلاس ڈگ تب ہے ھری ہے ھری سن کر ھسیوُ

چھیم کو پی حضرت علی تب ذوالفقار کرم کسیوُ

مغل بادشاہ اکبر نے مہاراجہ مان سنگھ کو کابل فتح کرنے کے لیے بھیجا تو وہ دریائے اٹک سے پہلے اٹک گیا۔ قدیم ھندو عقیدے کی رو سے اس دریا کو پار کرنا پاپ تھا۔ اکبر تک یہ خبر فوری پہنچی تب اس نے ایک دوھا لکھ کر بھیجا جسے پڑھتے ہی مان سنگھ نے دریا پار کر لیا۔ دوھا یہ ہے:

سبے بھومی گوپال کی یا میں اٹک کہا

جا کے من میں اٹک ہے سوئی اٹک رہا

جغرافیائی سرحدوں کی طرح اس خطہ کی مشترکہ زبان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا سہرا لومڑی سے زیادہ مکار انگریز بہادر کے سر ہے۔ ۱۸۳۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے طفلی و طفیلی مغل بادشاہ کے نام سے فرمان صادر کیا کہ عدالتی زبان فارسی کے بجائے انگریزی ہوگی اور مقامی زبان کو صرف رابطہ کی زبان کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔ انتہا پسند ھندوؤں کی سرپرستی میں ایک تحریک کا آغاز ہوا کہ ہم ھندوستانی اپنی زبان میں عربی،

فارسی و ترکی کی آمیزش برداشت نہیں کر سکتے لہذا دخیل الفاظ خارج کیے جائیں اور شدھ ھندی رائج کی جائے۔ ایک نعرہ پروان چڑھا اور سنسکرت میں یہ جملہ ھندو بچہ بچہ رٹنے لگا ''موت آجائے مگر مُسلے کی زبان نہ بولنا''۔ ایک وجہ میں ھندی اردو تنازعہ کی بنا اسی دور میں پڑی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اختلافات اور بڑھے اور لسانی تحریک نے سیاسی ہی نہیں بلکہ مذھبی رنگ بھی اختیار کرلیا۔ ۱۸۶۳ء میں جب طاقتور ھندو زعماً کی وجہ سے شدھ ھندی کی تحریک زور پکڑ چکی تب سر سید احمد خان نے اپنے رفقاً کے ہمراہ ھندی میں موجود عربی و فارسی کو سلامت رکھنے کے لیے سعی کی مگر تنازع بڑھتا چلا گیا۔ [43] ہندوستان پر حکمرانی کرنے کے لیے کرائے کے افراد کی خدمات حاصل کر کے جان گلکرائسٹ کی سربراہی میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا گیا۔ فورٹ ولیم کالج نے صدیوں قدیم مشترکہ زبان کو ٹکڑے کر دیا۔ للولال جی اور شیام سندر داس کا اس حوالہ سے بڑا دخل رہا۔ ھندوستان کے سیاسی بدلتے حالات میں اپنی بقا اسی میں جان کر انگریز نے غلط فہمیاں نہیں بلکہ نفرتیں بڑھائیں۔ یہ ہے مختصر ترین تاریخ ھندی اور اردو کے درمیان کھڑی کی گئی سدِ سکندری کی۔

جوشُدھ ھندی آج ہندوستان میں رائج ہے وہ فورٹ ولیم کالج سے پہلے طبقہ پنڈت تک محدود تھی۔ فورٹ ولیم کالج کا اولین مقصد یہی تھا کہ ہندی میں سنسکرت کے الفاظ ٹھونسے جائیں اور عربی و فارسی کے خارج کر دیئے جائیں اور اردو میں عربی و فارسی کے الفاظ مزید شامل کئے جائیں۔ اس تُخمِ نفاق بلکہ شجرِ ملعونہ کی پرورش کے نتیجہ میں تنگ نظر، تنگ خیال گروہِ مصنفین وجود میں آگیا جو اُردو کو مسلمانوں کی ''مِلکِ یَمین'' اور ہندی کو ہندوؤں کی ''پلنگ داسی'' سمجھنے لگا۔ انگریز کے زر خرید غلاموں نے ھندی زبان کے ملیح و صبیح چہرے کو مسخ کر دیا جس نے دس سے زائد صدیوں سے مشترک گنگا جمنی تہذیب کی تاریخ کی صورت گری کی تھی۔ آج ھندوستان میں ھندی داں طبقہ کو پاکستان کے اُردو داں طبقہ سے شکوہ عام ہے کہ اردو میں عربی و فارسی الفاظ کی اس قدر بھرمار ہوگئی ہے کہ یہ اب اجنبی زبان بن گئی ہے۔ دوسری طرف پاکستان میں بسنے والوں کا جوابِ شکوہ یہ ہے کہ ھندی میں سنسکرت الفاظ اس قدر ٹھونس دیئے گئے ہیں کہ انہیں سمجھنے کے لیے لُغت ہی کی نہیں بلکہ پنڈت کی آشیرواد بھی چاہیے۔ آج نصف صدی سے زائد کا عرصہ گزر جانے کے بعد ھندوستان میں رہنے والے مسلمان اردو رسم الخط بھول چکے اور دیو ناگری اپنا چکے۔ زندہ رہنے کے لیے مجبوراً یہ کرنا پڑا ورنہ عصبیت کا سیلاب خس و خاشاک کی طرح کمزوروں کو بہالے جاتا۔

جغرافیائی تقسیم کے ۶۴ سال گزر جانے کے بعد آج بھی سندھ و چولستان کی سرحدوں پر جب بزرگوں کے کلام کی محفل سجتی ہے تو پاکستانی و ھندوستانی افواج کے سپاہی و افسر سب کچھ نظر انداز کر کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ [44] یہ ساتھ بیٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں ملکوں میں رہنے والے عوام ان بزرگانِ دین سے مشترکہ طور پر بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہو، توحید کے اُن متوالوں نے اپنی زندگی امن و آشتی کا درس دینے میں صرف کر دی تھی لہذا خالق نے ان فرزانوں کا ذکر ابدی، سرمدی بنا دیا۔ مقامِ حیرت ہے کہ عَصَبیتِ زبان کے سبب اذھان، بزرگانِ دین کی ہزار سالہ محنت شاقہ کیوں بھول گئے جوانہوں نے ہندی زبان کو پروان چڑھاتے ہوئے برداشت کی؟ بلا تفریقِ مذہب، رنگ و نسل، پیار و محبت کا امن و بھائی چارگی کا شیریں درس اس خطہ نے بزرگوں کی مدھ بھری زباں سے سنا ہے۔ ہندی وار دو کا جھگڑا قدیم نہ تھا یہ تو سیاسی تقسیم کا شاخسانہ ہے حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہندی کی جو پرورش کی وہ ھندی ادب کا درخشندہ و تابندہ باب ہے۔ آج مشترکہ اقدار کو سمجھتے ہوئے نفرت و بغض کے زہر کو بھائی چارگی، پریم اور برداشتِ انسانیت کے تریاق سے مارنے کی ضرورت ہے۔ آج ضرورت ھندی اور اردو زبان کے موضوع پر اختلافات و تفرقات کو پروان چڑھانے کی نہیں بلکہ وُسعتِ قلبی سے ہزار سالہ ادوار کا تاریخی و ادبی جائزہ لیتے ہوئے غور کرنے کی ہے کہ کس طرح بزرگانِ دین نے علاقائی زبان و مقامی بولیوں سے پیار کے دیپ جلائے اور توحید کے بھید و بھاؤ بتائے۔ امین ھوشنگ آبادی کے شعر کو ختامِ مسک بناتا ہوں:

مل کر ھندو مسلم دونوں پیار کے دیپ جلائیں اب
سبھی بھول کر بھید و بھاو ہم سندر سو پن سجائیں اب

حواشی و حوالہ جات

[1] شق القمر کا معجزہ دیکھ کر راجہ کیرالہ چیرامن حیرت زدہ ہوگئے۔ تاریخی وثائق سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ چیرامن اپنے محل کی چھت پر رات کو ٹہل رہے تھے کہ انہوں نے آسمان پر قمر کو دو حصوں میں واضح تقسیم ہوتا دیکھا۔ صبح دربار میں اس کے بارے میں گفتگو ہوئی مگر کسی کے پاس جواب نہ تھا۔ عرصہ بعد عرب تجار کا ایک وفد جب برائے تجارت ان کے پاس آیا تو اثنائے گفتگو اس نے اس معجزہ نبوی (شق القمر) کا تذکرہ کیا۔ راجہ نے معلوم کیا کہ یہ واقعہ کتنا قدیم ہے اور اس نے اپنے مشاہدہ کی تاریخ اور اس روایت کی تاریخ میں یکسانیت پائی۔

بعد میں عرب تجار سے اس موضوع پر جب گفتگو ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ معجزہ بے شمار افراد کے سامنے دکھایا۔ انہوں نے دربارِ نبوی میں حاضری کی نیت سے اپنی راجدھانی کا امر چند سرکردہ افراد کو سونپ دیا اور حضرت نبویہ میں صعوبت سفر طے کرتے ہوئے پہنچے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ سرورِ کائنات نے نام تاج الدین عنایت کیا۔ ھندوستان واپسی کے سفر میں بمقام سلالہ، مسقط انتقال کر گئے اور وہیں دفن ہوئے۔ اُن کی وصیت کے مطابق کیرالہ میں مساجد تعمیر ہوئیں جو آج بھی موجود ہیں۔ شیخ زین الدین مخدوم کی ''تحفۃ المجاہدین'' کے مطابق ۷ ویں صدی کے اواخر میں ہند میں مسلمان عرب آبادی کا سراغ ملتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ سرزمین ہند میں دعوۃ اسلام دورِ رسالت میں پہنچ چکی تھی۔

[2] رتن بابا ''پیشوا''، ڈاکٹر ایاز حسین قادری، طبع 1930ء، دہلی

[3] ۳۶ سروں اور ۴۲ بولیوں میں موجود اسمٰعیلی مبلغین کا کلام شہادت دیتا ہے اور دعوۃ تحقیق دے رہا ہے کہ کیسے اُس دور کی مروجہ تہذیب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے لباسِ سادھو میں چمٹا بجاتے ہوئے توحید کا پیغام بُت پرستوں کے درمیان اُن بزرگانِ دین نے سریلے انداز میں گنگناتے ہوئے نشر کیا ہوگا۔

[4] اسمٰعیلی نظام دعوۃ کے تحت دنیا ۱۲ جزائر میں تقسیم ہے اور ہر جزیرہ ایک داعی کے ماتحت ہوتا ہے جو حجت جزیرہ کہلاتے ہیں۔ سیدنا حلم بن شیبان کے زیرِ دست دیگر دعاۃ سندھ و بالائی پنجاب میں خدمتِ دعوۃ بخوبی انجام دیتے رہے۔ ملتان کے نواح میں آپ کا مدفن بنا۔ قدیم مخطوطات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے قبل تقریباً ۲۰ دعاۃ سندھ و بالائی پنجاب میں دفن ہوئے جن کے جائے مدفن تحقیق طلب ہیں۔

[5] سومرہ کتب خانوں میں موجود فارسی و سندھی زبانوں میں موجود نایاب و نادر مخطوطات اپنے دامن میں پوشیدہ تاریخ سمٹے ہوئے ہیں۔ 1050 سے 1350 میں اسمٰعیلی سومرہ اکابرین نے سندھی، عربی و فارسی میں کتب تحریر کیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی فاطمہ کو سومرہ پر حد درجہ اعتماد تھا اور وہ سندھ میں امور دعوۃ انجام دینے کے معاملے میں مکمل اختیار رکھتے تھے جس کی تصدیق دربار امام فاطمی سے جاری ہونے والے سجلات و تعلیقات سے ہوتی ہے۔

[6] تاریخی شہر ہستناپور اُتر پردیش میں میرٹھ سے 37 میل کے فاصلے پر واقع ہے جس کے حصول کے لیے کروکشیترا کی مشہور جنگ مہا بھارت رونما ہوئی۔ مہا بھارت سے متعلق معاملات ہستناپور میں ہی ہوئے۔ یہاں جمبودیپ نامی مشہور مندر جو 24 میٹر دراز ہے مذہبی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ شہر جین اور بدھ مت کا انتہائی مقدس مقام ہے اور یہی وجہ ہے کہ امامی دور میں اسمٰعیلی دعاۃ نے اس علاقے میں بھی اثر و نفوذ اور دعوۃ کا عمل قائم رکھا۔

[7] اس حقیقت سے انحراف نہیں کیا جا سکتا ہے کہ تبلیغ اسلام کے حوالے سے سندھ اور پنجاب کی تاریخ فاطمی ملتان و منصورہ کے تذکرہ کے بغیر ادھوری ہے۔ اسمٰعیلی دعاۃ نے محبت اہل البیت کے جو بیج ان دونوں معروف مقامات میں خصوصاً بوئے اُن سے نکلنے والے پھولوں کی خوشبو سے آج بھی سندھ و چولستان کی زمین مہک رہی ہے۔ خارجیت و نواصبیت کی گرم ہواؤں نے مُعطر فضاؤں کو کثافت زدہ کرنا چاہا مگر خوشبو کم نہ ہوئی۔

[8] بغداد کا معروف سیاح ابو اسحٰق ابراہیم ابن محمد اصطخری ۹ نویں صدی عیسوی کا مشہور جغرافیہ دان ہے۔ جس نے ''المسالک والممالک'' اور ''صورۃ الاقالیم'' جیسی معروف کتابیں لکھیں۔

[9] ہندوستان میں اسلام غزنوی اور غوری کی تلواروں سے نہیں بلکہ اولیاء کی شیریں سخنی سے پھیلا۔ وسط ایشیاً سے آنے والے حملہ آور ہند برائے تبلیغ نہ آئے تھے ان کا اسلام سے کیا لینا دینا؟ حُبِ ذر اور ہے اور کردار ابو ذر اور ___ محمود غزنوی اور محمد غوری نے کلمہ گو اسمٰعیلی مسلمانوں کا جن کی اکثریت سومرہ پر مشتمل تھی جس بہیمانہ انداز میں قتل عام کیا اور خواتین کو اپنی افواج میں مالِ غنیمت کے طور پر تقسیم کیا اُس ظلم نے مسلمانوں کی تاریخ پر لگے کالے دھبوں میں اور اضافہ کر دیا، سبب فقط مذہبی تعصب اور بقائے حکومت تھا جس سے بنی امیہ و بنی عباس کی تاریخ مالا مال ہے۔

[10] ابن حوقل نے ''اشکال البلاد'' نامی معروف کتاب 367ھ مطابق 977ء مختلف بلاد کے نقشوں اور جغرافیائی معلومات پر تیار کی تھی۔

[11] محمد بن احمد شمس الدین المقدسی نے اپنے ۲۰ سالہ سفر کے بعد جغرافیہ کی مشہور کتاب ''احسن التقاسیم فی معرفت الاقالیم'' تحریر کی۔ یہ جغرافیہ دان 945 میں یروشلم (اسرائیل) میں پیدا ہوا۔

[12] امیر البحر بزرگ بن شہریار نے مشہور کتاب ''عجائب الهند'' کے نام سے عربی زبان میں لکھی۔ تحریر میں بکثرت ھندی الفاظ کی آمیزش ہے جس سے اس دور میں عرب و ہند کے درمیان قریبی روابط کا اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عرب تجار ھندی و سندھی پر عبور رکھتے تھے۔

[13] فاطمی امام مستنصر کے عہد میں کئی اہم تاریخی واقعات رونما ہوئے جنھوں نے آنے والے ادوار کے لیے بنیادی عوامل کا کردار ادا کیا۔ دورِ ستر فاطمی امام کی تمہید میں خزانۂ کتبِ دعوۃ مصر سے یمن منتقل ہوا۔ ہندوستان میں تبلیغ دعوۃ کی خاطر تین داعی البلاغ بھیجے گئے جنھوں نے گجرات، سندھ دکن میں دعوۃ اسمٰعیلی کی نشر و اشاعت کے حوالے سے عظیم خدمات انجام دیں۔

[14] ۲۰ ویں فاطمی امام آمر کے دور میں تختِ یمن پر سیدہ حرہ ملکہ اروی بنت احمد جلوہ نما تھیں۔ انہوں نے ذی جبلہ کے خوبصورت شہر کو جو درمیانِ وادی ہے اپنا دار الحکومت بنایا۔ وسط یمن میں واقع اس مقام میں انہوں نے یکتائے زمانہ مدرسہ قائم کیا جہاں فضلاً و علماً اکنافِ عالم سے آکر زانوئے تلامذہ تہہ کرتے۔ ان اصحاب دانش کو آپ پردہ کے پیچھے بیٹھ کر اعلیٰ علوم تعلیم فرماتیں۔

[15] ماذون الدعوۃ سیدی شیخ آدم صفی الدین کی کتاب ''پیلی میندی'' آج اہم ترین ذریعہ ہے جس سے ابتدائی دور کی تاریخ پر کچھ روشنی پڑتی ہے جب اسمٰعیلی دعوۃ ہند میں قائم ہو رہی تھی۔ تحریر کی زبان عربی ہے مگر درمیان میں اس دور کی مروجہ گجراتی معرب انداز میں شامل ہے جسے آج صرف ماہر لسانیات ہی پڑھ سکتے ہیں۔ فاضل مصنف سیدنا زکی الدین ابن سیدنا بدر الدین کے فرزندِ ارجمند تھے۔

[16] فضلاً یمن میں شیخ جعفر کا شمار ہے آپ کا ''رسالہ منیرہ'' اندھیری تاریخ کو روشن کرنے میں ایک اہم ذریعہ ہے۔

[17] داعی البلاغ سیدی عبد اللہ کی نسل میں سیدی حسن فیر شہید ہوئے۔ اسمٰعیلی مستعلوی دعاۃ کے یمن میں قیام کے دوران ہندوسندھ کی نیابت ولاۃ کے سپرد تھی سیدی حسن فیر سلسلہ ولاۃ میں ۹ ویں والی تھے۔

[18] داعی البلاغ سیدی عبداللہ کا نام قبل از اسلام بالم ناتھ تھا۔ آپ کی مساعی جلیلہ سے گجرات کی بہت بڑی ہندو آبادی اسمٰعیلی دعوۃ اسلام میں داخل ہوئی۔

[19] سیدی حسن فیر کی فراست وذہانت کی خبر جب تاجدار سلطنت عثمانیہ سلطان مراد اول(1389 - 1306) تک پہنچی تو اس نے سجل ہمامی وتحائف اُن کی خدمت میں بطور تحسین بھیجے یہ سلطان کوسوو کے میدان جنگ میں کشتہ کارزار بنا۔

[20] قرطاس کی جمع قراطیس ہے جس کے معنی خطوط یا کاغذات کے ہیں یمن سے علماً دیگر بلاد خصوصاً ہندوسندھ تفصیلاً خطوط لکھ کر مختلف معاملات پر روشنی ڈالتے تھے اور یہ خطوط رشد وہدایت اور علوم کی ترویج کا باعث بنتے۔ یہ سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہا اور یہ خطوط وقت کے ساتھ ساتھ اگر محفوظ رہ گئے تو کتب کے طرح مختلف علماً کے کتب خانوں کی زینت بن گئے۔

[21] عربی رسم الخط میں گجراتی تحریر کا سراغ سیدی حسن فیر کے دور میں بھی ملتا ہے اس اندازِ تحریر کو اختیار کر کے علماً دعوۃ اسمٰعیلیہ نے مقامی لوگوں تک قرآن وشریعت کی تعلیم پہنچانے کی کامیاب سعی کی اور دیوناگری رسم الخط کو تج دیا۔ ایک رجحان پروان چڑھایا اور وہ یہ تھا کہ ہر معاملہ زندگی میں اسلام کا رنگ جلد نقش ہو اور لوگ قرآن مجید کی زبان سے آشنا ہو جائیں۔

[22] آتش حسد وتعصب بڑے ظلم ڈھاتی ہے۔ سیدی حسن فیر کے تقویٰ وذہانت و فراست کی وجہ سے سلطان پاٹن فیران شاہ آپ کا معتقد ہو گیا تھا مگر تنگ ذہن درباری مولویوں کو یہ قبول نہ تھا لہذا آپ کے قتل کی سازش تیار کر کے اُسے عملی جامہ پہنایا۔

[23] سیدی امین جی بن سیدنا جلال فقیہ متقی وعالم باعمل تھے دور اکبری میں آپ نے فقہ کے مسائل کے جوابات داعی زمانہ سے دریافت کیئے اور عربی میں کتاب تحریر کی درمیان میں معرب گجراتی کی عبارات بھی برائے سہولت شامل کی۔ اس طرح مختلف ادوار میں گجراتی زبان عربی رسم الخط میں پروان پاتی رہی۔

[24] ''پیلی مینڈی'' مصنف ماذونِ الدعوۃ شیخ آدم صفی الدین بن سیدنا زکی الدین

[25] دارالعلم فاطمی آئمہ کرام کی پرورش علمی کی وہ سند زریں ہے جس سے اوراق تاریخ درخشاں وروشن رہینگے۔ فاطمی امام حاکم کی قائم کردہ اس سائنٹیفک درس گاہ میں اعلیٰ علوم کی تدریس کے ساتھ تحقیق وتدوین کا کام وسیع پیمانے پر ہوتا جہاں مختلف مسالک ومذاہب کے فضلاً سکون سے یہ خدمات انجام دیتے کہ انہیں بطور اجرت خطیر مشاہرہ وظائف دیئے جاتے تھے۔

[26] ذی جبلہ، دارالحکومت سیدہ اروی بنت احمد، یمن

[27] ۹ ویں مجالس ''مجالس سیفیہ''، سیدی ابراہیم سیفی، (وفاۃ ۱۲۳۶، سورت، ہند)

[28] جین اچاریہ ھیم چندر ۱۱ ویں صدی کی مشہور شخصیت ہیں ابتدأ دعوۃ اسمٰعیلیہ درجزیرہ ہند کی تاریخ جین مت کے بزرگوں کے وثائق کے مطالعہ کے بغیر ادھوری رہے گی۔ اسمٰعیلی مستعلوی جماعت کے سرکردہ افراد جو حلقہ دعوۃ اسلام میں داخل ہوئے وہ اصلاً ونسلاً جین تھے۔ تاریخ کی گمشدہ کڑیاں آج بھی جین مت کے بزرگوں کے کتب خانوں میں موجود ہیں اور محققین کی تحقیق کی منتظر ہیں۔

[29] ''عیون الاخبار'' ۱۹ویں فاطمی داعی سیدنا ادریس عمادالدین کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ تاریخ کا یہ خزانہ آپ نے شبام، یمن کی بلند ترین پہاڑی چوٹی پر قیام پذیر ہو کر تحریر کیا۔

[30] داعی البلاغ سیدی نورالدین کا تعلق سرزمین گجرات سے ہے۔ قبل از اسلام آپ کا نام روپ ناتھ تھا۔ سیدی احمد کے زیرسایہ تعلیم حاصل کر کے آپ یمن ومصر تشریف لے گئے جہاں مزید درجات میں بلند ہوئے اور روحانی قوتوں کی عنایات کے بعد دوبارہ تبلیغ کے خاطر ھند آئے۔ ۷ سال کا طویل عرصہ سندھ میں رشد وہدایت میں صرف کرنے کے بعد آپ پیدل کھٹن منازل طے کرتے ہوئے اسلام کی دعوۃ قائم کرتے ہوئے دکن تشریف لے گئے جہاں بہت بڑی تعداد میں آپ نے لوگوں کو حلقہ دعوۃ میں داخل کیا۔

[31] صحرائے چولستان اور دریائے سندھ سے متصل کچے کے جنگلات میں آباد خانہ بدوش کی تاریخ کا سراغ ملتان ومنصورہ میں آباد اسمٰعیلی آبادی سے ملتا ہے جو غزنوی اور غوری خونی تلواروں کے خوف و بہیمانہ قتل عام سے بچنے کے لیے شہر بدر ہو گئی تھی۔ اسلام کے نام لیواؤں نے ان کلمہ گو مسلمانوں کو جس بربریت سے قتل کیا اور خواتین کو بازار میں فروخت کیا وہ تاریخ اسلام کا ہولناک باب ہے۔ شہر چھوڑ کر جنگل میں بسنے والوں کو بھی ظالموں کے لشکر تلاش کرتے اور وہ مظلوم ایک مقام سے دوسرے مقام نقل مکانی کرتے رہتے۔ ان بدتر حالاتِ زندگی نے ان خانہ بدوشوں کو نہ صرف مرکز و عقیدے سے دور کر دیا بلکہ انہوں نے تہذیب ومعاشرت بھی کھو دی۔ لیکن کچھ چیزیں نسلاً درنسل منتقل ہوتی رہیں جن کی تحقیق کی جائے تو کئی پردے اٹھیں گے۔

[32] دونگاؤں نزد اورنگ آباد، دکن میں اسمٰعیلی دعوۃ کی تاریخ میں نہایت اہم مقام ہے۔ یہ نہ صرف جائے مدفن داعی البلاغ سیدی نورالدین ہے بلکہ ہندوستان میں اسمٰعیلی دعوۃ کی تبلیغ کے لیے جو دو ابتدائی مقامات چنے گئے تھے ان میں سے ایک ہے۔ آنے والے ادوار میں چونکہ نظام دعوۃ گجرات سے تعلق رکھنے والے علماً کے ہاتھ آیا جن کی زبان گجراتی تھی لہذا ان کا اثر غالب رہا۔ اس کے مقابلہ میں دکنی اردو زبان و معاشرت وتہذیب کا مزاج جُدا تھا۔ کئی وجوہات کی بناً پر اس علاقہ میں پروان چڑھنے والی اسمٰعیلی دعوۃ منظر عام سے رخصت ہو گئی۔

[33] ۴ صدی قدیم صحیفہ، قلمی نسخہ جو دختر داعی سیدنا ھبۃ اللہ المؤید کے ہاتھ کی تحریر ہے۔

[34] ۲۶۲ سالہ قدیم صحیفہ، قلمی نسخہ

[35] خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (وفات 1230ء) غریب نواز کے نام سے معروف ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب والد ووالدہ دونوں جوانب سے امیر المؤمنین علی سے ملتا ہے۔ بجستان میں پیدا ہوئے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خواب میں حکم

دیا کہ ہندوستان جا کر دعوۃ اسلام قائم کرو۔ آپ نے اجمیر کو مرکز بنایا اور لاکھوں افراد ان کے ذریعہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

[36] لڑکیاں شادی میں امیر خسرو کا کلام شوق سے گنگناتی ہیں۔ امیر خسرو کو سُروں پر عجب کمال حاصل تھا۔ آج بھی ان کا کلام سُر کے ساتھ سننے والا مسحور ہو جاتا ہے۔

[37] خواجہ فرید مسعود گنج شکر کی ولادت 1173ء کے آس پاس ملتان کے نزد ہوئی آپ کا سلسلۂ نسب امیر المومنین علی سے ملتا ہے جس کی ذکر علم الانساب کے ماہرین نے کی ہے۔ مشہور عالم سیاح ابن بطوطہ نے ان سے ملاقات کی ہے اور تحریر کیا ہے کہ سلطان ہندان کا مرید تھا اور اجودھن جاگیر ہدیہ کی تھی۔ نظم میں موجود اُن کا کلام آج بھی پاک بھارت سرحد پر محفلوں میں پڑھا جاتا ہے۔

[38] جواہر فریدی، ص ۲۰۸، لاہور

[39] سنت کبیر داس (1518-1440) نے بھگتی تحریک کے ذریعہ ہندوستان کے رہنے والوں پر اپنے کلام محبت کے ذریعہ گہرا اثر ڈالا اور گرنتھ صاحب میں بھی ان کا کلام موجود ہے اور دوہے مشہور زمانہ ہیں۔ آج بھی ہندوستان میں 9,600,000 کبیر پنتھی موجود ہیں۔

[40] گرنتھ صاحب سکھ مت کی مقدس کتاب ہے جس میں تعلیماتِ اسلام کی جھلک موجود ہے۔ گرونانک کے والدین ہندو تھے ان کی وفات کے بعد ان کی پرورش مسلمان گھرانے میں ہوئی۔ اس تربیت نے ان کی ذہنی نشو نما پر بھی اثر ڈالا اور وہ توحید کے متوالے ہو گئے۔ سکھ مت کے پانچ لوازم میں سے تین میں خالصتاً اسلام کا رنگ جھلکتا ہے۔ داڑھی، تلوار و عمامہ کی سنت کو سکھ مت میں جو اہمیت حاصل ہے دنیا اس سے واقف ہے۔

[41] میرا بائی، سائیں بابا یہ سب توحید پرست تھے اور ان کا کلام وحدانیت کے درس پر مبنی ہے اور ہندو اور مسلمان دونوں کو آپسی محبت کا درس دیتا ہے۔

[42] اکبری دربار کے ہندی کوی، ص ۲۷، شوسنگھ سروج، دھلی

[43] جان گلکرائسٹ، فورٹ ولیم کالج، اس کالج کی بنیاد اختلاف پر رکھی گئی اور انہی خطوط پر یہاں کام کیا گیا۔ نتیجہ میں نفرت اور تعصب کی دیوار کھڑی ہو گئی۔

[44] سرائیکی خطہ پر واقع پاکستانی و ہندوستانی سرحد پر جب بزرگانِ دین کے کلام کی محافل سجتی ہے تو دونوں جوانب کے عوام، سپاہی و افسر ایک ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور کلام میں موجود شیرنی پیام امن فضاؤں میں بکھیرتی ہے۔